بچا لیا گیا۔ آج کل کے زلزلے، سیلاب وغیرہ اب ظاہر کتنے ہی مہیب و ہولناک ہوں۔ عذاب نہیں ہیں ہاں نمونۂ عذاب کا کام دے سکتے ہیں۔ عذاب ہوتا تو پہلے انہیں قوموں کو اپنا شکار بناتا، جو سرے سے خدا فراموش یا خدا بیزار ہیں۔ مسلمان جس ملک کے بدتر سے بدتر بھی ہوں بہرحال اس درجہ پہ تو نہیں پہنچے ہیں۔ اہلِ علم کو یہ فرق ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ (صدق جدید، لکھنؤ۔ ۳۰ ستمبر ۶۶ء)

اکبر اعظم اور علماء حقیقت یہ ہے کہ اپنے دَور کے ملاؤں اور علماء کے ساتھ اکبر نے اپنی تخت نشینی کے کئی سال بعد جو طرزِ عمل اختیار کیا، اُسے صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ملکی سیاست کے اصولوں، اس زمانے کے علماء کی سرگرمیوں اور ان کے کردار کا سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ اس ضمن میں یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اکبر ایک بادشاہ یعنی اپنے وقت کی حکومت کا سربراہ تھا، جس کی سیاست اور فرائض منصبی میں ملک کی بیرونی حفاظت اور اندرونی امن کا مقام بہت بلند تھا، کوئی بیدار مغز حکومت یہ بات ہرگز گوارا نہیں کر سکتی کہ ملک کے اندر ایک دوسری حکومت ہو یعنی ملک میں کوئی گروہ یا طبقہ اتنا مضبوط اور زبردست ہو جائے کہ عوام الناس کی وفاداریاں بٹ جائیں اور لوگ اپنے ذہن یا طرزِ عمل میں اس گروہ یا طبقے کو تقریباً اتنی ہی وقعت دینے لگیں جس کی بجا طور پر حکومت مستحق ہے۔ یہ گروہ یا طبقہ خواہ جاگیردار اُمراء کا ہو خواہ کسی نظریئے کے سربراہوں یا پیروؤں کا۔ جب بھی یہ اتنی طاقت حاصل کرنا شروع کرے کہ حکومت کے استحکام کو اس سے خطرہ لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو حکومت کا فرض ہے کہ مفادِ عامہ کی خاطر وہ اس گروہ کی بڑھتی ہوئی طاقت کو مناسب تدابیر سے، جن میں قوت کا استعمال بھی شامل ہے، کم کرے۔ دنیا کی تاریخ میں ہم کو اس قسم کی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں۔ یورپ میں ایک طرف بادشاہوں اور جاگیردار امیروں کے درمیان اور دوسری طرف بادشاہوں اور کلیسا کے درمیان اسی بنا پر سالہا سال تک خفیہ اور علانیہ پرخاشیں جاری رہیں اور جب تک ان دونوں عناصر یعنی جاگیردار امیروں اور کلیسا کا زور نہ توڑا گیا، مستحکم قومی حکومتیں قائم نہ ہو سکیں۔

اکبر بادشاہ اور اُس کے عہد کے علماء کے درمیان جو مناقشات رونما ہوئے، ان کا بنیادی سبب بھی دراصل یہی تھا کہ سابقہ بادشاہوں کی کم اندیشی اور عوام الناس کے مذہبی جذبات کی بنا پر بعض علماء نے اپنے آپ کو بہت طاقت ور بنا لیا تھا، جسے اکبر جیسا مدبر اور سیاست دان بادشاہ سلطنت کے استحکام اور ملکی مصلحت کے خلاف سمجھتا تھا۔ اگر ان علماء کا دائرۂ عمل صرف لوگوں کے مذہبی ارکان کی بجا آوری تک

محدود رہتا، یہ پرخاش غالباً اس قدر شدید صورت اختیار نہ کرتی۔ لیکن ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو مذہب کی آڑ لے کر ہر معاملے میں اس لئے دخل دینا چاہتے تھے کہ ان کا رسوخ بڑھے اور جب حکومت اپنی حکمت عملی میں ان کی محتاج یا ان سے مرعوب ہو جائے تو ان کا دائرہ اثر اور بھی وسیع ہو جائے، اور وہ حقیقی معنوں میں پشت پناہ تخت بن جائیں۔ علماء کی اس ہوسِ اقتدار کا ذکر خود اکبر نے ان پُرمعنی الفاظ میں اس خط میں کیا ہے جو اس نے عبداللہ خان ازبک کو تحریر کیا تھا۔ اس میں وہ کہتے ہیں کہ:۔

"علماء می خواہند کہ در فرمان روائے و کارگزاری شریک بادشاہی باشند" (ترجمہ:۔ علماء یہ چاہتے ہیں کہ فرمان روائی اور حکومت میں وہ ہمارے شریک بن جائیں)۔

(ڈاکٹر نذیر احمد۔ سہ ماہی اُردو، کراچی)

حضرت عمرؓ کی تجدید

سنِ ہجری | حضرت عمرؓ نے سن ہجری مقرر کی حالانکہ اس سے پہلے مہینوں سے تاریخ لکھنے کا رواج تو تھا مگر سن سے نہ تھا:

استشار عمرؓ فی التاریخ فاجمعوا علی الهجرة — حضرت عمرؓ نے تاریخ کے بارے میں مشورہ کیا لوگوں نے ہجرت پر اتفاق کیا۔

وارد و صادر کے لئے مال گودام بنایا | حضرت عمرؓ نے وارد و صادر کے انتظام کے لئے مال کے لئے مال گودام بنایا جس میں ضرورت کی مختلف چیزوں کا اہتمام تھا صرف وعظ و تلقین پر اکتفاء نہیں کیا۔

فجعل فیها الدقیق والسویق والتمر والزبیب وما یحتاج الیه لیعین به المنقطع به والضیف — مال گودام میں آٹا۔ ستّو۔ کھجور۔ کشمش اور دوسری ضرورت کی چیزیں تھیں جن کے ذریعے مسافروں اور مہمانوں کی مدد کی جاتی تھی۔